رفاقت جاوید کے ناول ''وبا کے اس پار زندگی'' کا فکری و فنی جائزہ

An Intellectual and Technical Review of Rafaqat Javed's Novel "Waba Ke Os Par Zindagi".

ڈاکٹر محمد اکبر علی [i]

Abstract:

Rafaqat Javed (born April 1, 1957) is a well-known Urdu writer with a multidimensional personality who is a novelist, drama writer, and columnist. This article is an analysis of her novel: "Waba ke Os par zindagi". This novel shows a new aspect of life after the epidemic of COVID-19. Through the characterization of the novel, she shows her stylish dialogue and her effective style. In this novel, she shows the social problems of society and the effect of company on people through major and minor characters. She also describes the results of sins in a life in different ways in her novel. In this, she wants to describe how society is responsible for all types of epidemic diseases because all these are due to the bad deeds of society. Her thoughts, style, and moral dialogues are, in fact, examples of revisionist novels.

Keywords: *Urdu Novel, Waba ke Os Par Zindagi, Rafaqat Javed, Multi-dimensional, Epidemic, Effective Style, Bad deeds, Moral dialogues.*

رفاقت جاوید (پیدائش: یکم اپریل ۱۹۵۷) ایک کثیر جہتی شخصیت کے حامل اردو کے معروف ادیبہ ہیں جو ایک ناول نگار ، ڈرامہ نگار اور کالم نگار ہیں۔ یہ مقالہ ان کے ناول: "وبا کے اُس پار زندگی" کا تجزیہ ہے۔ یہ ناول *COVID-19* کی وبا کے بعد زندگی کا ایک نیا پہلو دکھاتا ہے۔ ناول کی کردار نگاری کے ذریعے وہ اپنے اسٹائلش مکالمے اور اپنے موثر انداز کو ظاہر کرتی ہیں۔ اس ناول میں وہ معاشرے کے سماجی مسائل اور لوگوں پر صحبت کے اثرات کو بڑے اور چھوٹے کرداروں کے ذریعے دکھاتی ہیں۔ وہ اپنے ناول میں زندگی میں گناہوں کے نتائج کو بھی مختلف طریقوں سے بیان کرتی ہے۔ اس میں وہ یہ بتانا چاہتی ہیں کہ کس طرح ہر قسم کی وبائی بیماریوں کا ذمہ دار معاشرہ ہے کیوں کہ یہ سب معاشرے کے برے اعمال کی وجہ سے ہیں۔ ان کے خیالات ، اسلوب اور اخلاقی مکالمے درحقیقت ایک اصلاحی ناول کی مثال ہیں۔

کلیدی الفاظ: اردو ناول ، وبا کے اُس پار زندگی ، رفاقت جاوید ، کثیر الاطراف ، کرونا ، موثر انداز ، اخلاقی مکالمہ۔

رفاقت جاوید (یکم اپریل، ۱۹۵۷ء) نمائندہ ناول نگار خاتون ہیں۔ان کے ناولوں میں سماجی مسائل اور اخلاقی اقدار کا تذکرہ ہے۔ معروضیت اور حقیقت پسندی کے دامن میں انھوں نے سماجی کشمکش اور طبقاتی آمیزش کو پیش کیا ہے، جو ناول کے داخلی فنی پیمانہ کی دلیل ہے، جب کہ ان کا یہ ناول کردار نگاری، واقعہ طرازی اور پلاٹ جیسے عناصر کی عکاسی کرتا ہوا خارجی فنی پیمانے کی واضح مثال ہے۔ان کے ناول میں حقیقت نگاری اور اخلاقی نقطۂ نظر دونوں ملتے ہیں۔

علی عباسی حسینی نے اپنی تصنیف ناول کی تاریخ اور تنقید میں ڈونیل ڈفو کا یہ قول نقل کیا ہے:

> قصہ بنا کر پیش کرنا بہت ہی بڑا جرم ہے۔ یہ اس طرح کی دروغ بافی ہے، جو دل میں ایک بہت بڑا سوراخ کر دیتی ہے، جس کے ذریعے سے جھوٹ آہستہ آہستہ داخل ہو

[i] انڈیپنڈنٹ سکالر از ملتان۔ (Corresponding Author)

کر ایک عادت کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔[۱]

رفاقت جاوید کے ناول تفریح طبع کے دائرے میں مقید نہ ہیں، بلکہ ان کی وسعت لا محدود ہے۔ کبھی پلاٹ کی وضاحت کے لیے انھوں نے زندگی کے مختلف کرداروں کو انفرادی پہلوؤں کے ساتھ واضح کیا ہے تو کبھی ضمنی کرداروں کو محدود و مقید نہ رکھا ہے۔ وکٹورین عہد کے ناول نگاروں کی طرح ان کے اس ناول میں زندگی اپنے خاص پہلوؤں اور نقطۂ نظر کی وضاحت کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ اس انداز نظر کو ان کے ناول کے ہر صفحے اور جملے میں محسوس کیا جا سکتا ہے:

> اللہ خیر کرے گا......!
>
> آخر خون ایک ہی رنگ کا ہوتا ہے، ایک دوسرے کو پہچانتا اور جان رکھتا ہے۔ یہ وہم اور خوف دل سے نکال دو جہانداد.........![۲]

رفاقت جاوید نے اس ناول میں عصری زندگی اور معاشرے کی سچی منظر کشی کی ہے۔ کیوں کہ ان کا یہ ناول خیالات انسانی کے خاص تجربے کا عکاس ہے۔ جس میں زندگی کے کئی پہلوؤں کو پیش کیا گیا ہے۔

انگریزی مصنفہ کلارا ایوز نے ناول کی تعریف یوں کی ہے:

> ناول اس زمانے کی زندگی اور معاشرے کی سچی تصویر ہے۔ جس میں وہ لکھا جائے۔[۳]

زندگی کی ترجمانی ایک نثری قصے کی بدولت انھوں نے کی ہے اور ایک خاص تنظیم اور تسلسل کی بدولت اس کو آگے بڑھایا ہے۔ انسانیت کے بنانے اور بگاڑنے کے حوالے سے کائنات کا کردار انھوں نے دکھایا ہے۔ کیوں کہ ان کے نزدیک کائنات کا تصور انسانیت کے بغیر نامکمل ہے۔ اسی طرح انسان جس معاشرے کا حصہ ہو اس کے بغیر انفرادی زندگی کے کوئی معنی نہیں رہ جاتے۔ گویا ان کے دل میں انسان کے باطنی اور خارجی زندگی کا تصادم واضح انداز میں ملتا ہے:

> میں نے اپنی زندگی میں ماں کی دعا اور دوست کی محبت میں گرفتار کبھی کسی کو محتاج نہیں دیکھا۔[۴]

ان کے ناول میں ایک پیچیدہ سماج کا تذکرہ ہے۔ کیوں کہ انھوں نے انسان کی معاشرتی زندگی کو نئے زاویے سے پیش کیا ہے اور اس تصویر کی عکاسی انھوں نے واقعات، حالات اور افکار کے میل جول سے

اس طرح مرتب کی ہے۔ جس کا نقشہ ان کے ذہن میں موجود ہے۔ یوں یہ تصویر سچی اور اصل ہونے کے ساتھ ایسا مجموعی اثر چھوڑ جاتی ہے۔ کہ قاری اس کی اثر پذیری میں کھو کر رہ جاتا ہے۔

رفاقت جاوید کے ہاں تصور کی جدت پسندی نہیں، مگر تفکر کی گہرائی ضرور ہے۔ کیوں کہ انسان زندگی کی تلخیوں سے گھبرا کر کسی ان دیکھی دنیا کا مسافر نظر آتا ہے۔ جہاں زندگی سے فرار نہیں۔ بلکہ اس کی اُلجھنوں کو سلجھانے کی تعلیم دکھائی دیتی ہے اور اسی سے ان کی فنی پختگی کا ادراک ہوتا ہے:

> اس دور سے جہاں ہم نے بہت کچھ بھلا اور کارآمد درس لیا ہے۔ وہاں برائی بھی سیکھی ہے جو اس پالنہار کو ہرگز پسند نہیں۔ وہ ہے اس کی مخلوق سے دوری اور نفرت، خود کو بڑا اور دوسروں کو کمتر سمجھنا۔ اس نے انسان کی پیدائش اور موت میں برابری دکھا کر ہمیں ایک بہت اہم پیغام دیا ہے۔ جسے ہم سمجھنا ہی نہیں چاہتے۔[۵]

رفاقت جاوید نے کرداروں کے ذریعے بھی منظر نگاری کو پیش کیا ہے۔ کیوں کہ منظر نگاری وہ صفت ہے۔ جو ناول کی روح سے متعلق ہے۔ انھوں نے ایک طرف فطرت کو اپنے جذبہ احساس سے ہم آہنگ تصور کیا ہے۔ تو دوسری طرف کئی انداز میں ان سے بے نیازی بھی برتی ہے۔ زبان امکان کی اہمیت کو بھی انھوں نے منظر نگاری سے واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ منظر نگاری اگرچہ ناول کے فن میں داخلی اور خارجی سطحوں پر ناگزیر قدر کی حیثیت رکھتی ہے۔ لہٰذا فن کارانہ شعور و ادراک کی اشد ضرورت ہے۔ علاوہ ازیں یہ کہ ان کے ہاں مناظر نہ تو اجنبی ہیں اور نہ ہی بے معنی اور غیر متعلق دکھائی دیتے ہیں۔ اس لیے ان کا ناول دلچسپی، معنویت اور تاثر کے اعتبار سے گراں قدر تصور کیا جاتا ہے:

> وجدان نے ہونٹ بھینچتے ہوئے خود کو نارمل کرنے کی کوشش کی اور ہچکچاہٹ سے بولا۔ میں تم پر زیادتی نہیں کرنا چاہتا۔ تم مجھے نہ صرف پسند ہو۔ بلکہ میں تمہاری دل و جان سے عزت کرتا ہوں۔ اس کے بعد محبت کا نمبر آتا ہے۔[۶]

رفاقت جاوید کے ہاں بھی فنی اور جمالیاتی قدروں کے پل صراط سے گزرنے کا کام دیکھا جا سکتا ہے۔ انھوں نے فلسفہ حیات کا عکس پیش کیا ہے۔ ان کا یہ ناول انسانی زندگی سے متعلق معاملات، معاشرتی رابطے، مسائل اور تہذیبی شعور کا عکاس ہے، بلکہ انھوں نے اعلیٰ مقصد کے اظہار کے لیے واقعات، زندگی اور

تجربات کار دعمل بھی دکھایا ہے۔ ان کی یہ مقصدیت پسندی، ان کے نقطۂ نظر کو اور واضح کرتی ہے، جسے وہ نہایت احتیاط اور خوش اسلوبی کے ساتھ ناول کی مجموعی ساخت میں ضم کر کے سامنے لانے کا کام کرتی ہیں۔

ان کے ناول کا موضوع ہی دراصل ایک خاص فلسفہ حیات کی پیش کش کا سبب دکھائی دیتا ہے۔ کیوں کہ ان کے ہاں زندگی بھی چند امکانات رکھتی ہے۔ اس کے بھی اپنے تقاضے ہوتے ہیں اور یہ ان کا فن ہے کہ وہ انھیں بروئے کار لا کر پیش کرتی ہیں۔ جس طرح ان کے شعور اور بصیرت کی کرنیں کسی خاص نقطۂ نظر کی وضاحت کرتی ہیں۔ تو یہ ان کے قلم کی تخلیقی جنبش کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

علاوہ ازیں ان کے ہاں مکالمے فطری، صاف ستھرے، موزوں اور برجستہ ہیں اور انھوں نے اچھے مکالموں کے سبب ہی قصہ کو ایک خاص سمت عطا کی ہے۔ کیوں کہ قصہ کے ارتقاء میں مکالمہ کی حیثیت اہم ہے۔ مکالمے کا مختصر اور دل نشین ہونا اس لیے اہم ہے کہ یہ متنوع اور وسیع انداز میں ناول کے فن کو متاثر کرتا ہے۔ کیوں کہ مکالمے ہی کے ذریعے سے کرداروں کی انفرادی شخصیت و سیرت کی تشکیل ہوتی ہے۔ انھوں نے مکالمہ نگاری کو خاص سلیقے سے پیش کر کے جمالیاتی دل کشی کو برقرار رکھا ہے۔ جس سے ان کی عام فہمی کا انداز تخلیق ہوتا ہے:۔

> تم نے بالکل ٹھیک کہا ہے...... مجھے تو خیال ہی نہ آیا......وہ منمنائی، تم ہی وقت مقرر کر سکتی ہو......تاکہ تمہارے آرام میں خلل بھی نہ آئے اور ہماری گفتگو بھی.........تو ہے ہی ناممکن...... موجودہ کووڈ کے بعد تم مجھ پر پابندی نہ لگاؤ گی۔
>
> ڈپریشن ہر انسان پر اس کے مزاج کے مطابق حملہ آور ہوتا ہے۔ زید جس فیز سے گزر رہا ہے۔ ایک دن وہ اس زندگی سے تنگ آ کر یہاں سے فرار ہو جائے گا۔ یا خود کو ختم کر لے گا۔ اس نے فکر مندی کا اظہار کیا۔[۷]

رفاقت جاوید نے اس ناول میں کووڈ ۱۹ کے حوالے سے خطہ میں پائی جانے والی ایک خاص ذہنی اُلجھن کا تذکرہ کیا ہے۔ اس دور کی تحریکات اور ذہنی لہروں کی آغوش میں پلنے والے افراد کی کہانی کو ان کے فطری تقاضے کی روشنی میں پیش کیا ہے۔ انھوں نے واضح بتایا ہے کہ تغیر زمانہ اور تبدیلی مقامات کے ساتھ ساتھ زندگی کی رسوم و روایات اور حالات و واقعات میں انقلاب و تبدیلی لازمی ہے۔ اس لیے انھوں نے زمان و مکان کی وحدت کو سامنے رکھ کر ایک مانوس ماحول کا نقشہ کھینچا ہے۔ جہاں پر پورے برصغیر پاک و

ہند کے علاقے کی تصویر واضح ہے۔ گویا انھوں نے اپنی تخلیقی بصیرت کے سبب ایک خاص زمانے سے وابستہ واقعات بھی ایسی تازگی اور توانائی پیدا کی ہے۔ کہ اس کی ہمہ گیر کیفیت اور خصوصیت نمایاں ہو جاتی ہے۔

پلاٹ ناول نگاری میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ کیوں کہ اس کی فن کارانہ تخلیق و تعمیر پر ناول کی کامیابی کا انحصار ہے۔ ان کے ہاں پلاٹ واقعات کے اس خانے میں پنہاں ہیں، جس سے قصہ کی ساری دلچسپیوں کو خاص ترتیب سے بیان کیا گیا ہے۔ وہ قصہ کے اندر مدوجزر کے جنم اور اس کے مؤثر پن سے واقفیت رکھتی ہیں۔ اس طرح ان کا یہ ناول قاری کی توجہ حاصل کرتا ہے۔ کیوں کہ انھوں نے ناول کے مختلف واقعات میں منطقی ربط، داخلی نظم و تسلسل اور اندرونی، ہم آہنگی کو بیان کیا ہے۔ کیوں کہ ان خصوصیات کی عدم موجودگی سے ناول اپنے پلاٹ سے محروم دکھائی دیتا ہے۔ ان کے ناول میں پلاٹ کی مضبوطی کا عنصر جھلکتا نظر آتا ہے۔ کووڈ ۱۹ کے واقعات کے بعد کسی کا بیماری میں مبتلا ہونا اور خاص تعلق کی بنیاد پر ہمدردی کا عنصر اس کی ذات سے جڑا رہنا اور بعد از مرگ اس کی یادوں میں کھوئے رہنا اور اپنی زندگی کے مقصد کو کسی کے نام سے منسوب کرنا ہی ان کے ناول میں ایک منظّم پلاٹ کی دلیل ہے۔

انھوں نے اپنے اس ناول میں واقعات کو نہ صرف ذہنی اور تصوراتی حدود تک مقید رکھا ہے۔ بلکہ اس کا اطلاق زندگی کے ہر شعبے میں اثرات و اہمیت کے حوالے سے دکھایا ہے۔ جس میں یہ منظر کہ کسی طرح روز مرہ کی زندگی اپنے پروں کو پھیلائے بیٹھی تھی، مگر صدائے موت بن کر آنے والی اس بیماری نے اس کو محدودیت کے دائرے میں دھکیل دیا جب کہ دوسری طرف زندگی کی امید اور نئے امکانات کو بھی انھوں نے دکھایا ہے۔

اسلوب بیاں اپنے موضوع سے اتنے گہرے طور پر ہم آہنگ ہوتا ہے کہ اس کی علیحدگی تخلیقی عمل کے بنیادی تقاضوں کو نظر انداز کرنے کے مترادف تصور کی جاتی ہے۔ کیوں کہ اس کا براہ راست تعلق کسی بھی زبان سے ہے اور یہی وہ راستہ ہے، جس کے ذریعے سے ادیب اپنے تخلیقی تجربہ کو فنی تشکیل میں لانے کا کام سر انجام دیتا ہے۔ اس ناول میں انھوں نے زبان کا استعمال ایک خاص حسن کے پیرائے میں تخلیقی سطح پر کیا ہے۔ اس طرح وہ اس زینہ سے ناول کو نفاست، نزاکت، ارتقا اور ارتفاع کی طرف لے کر گئے ہیں اور یہی تخصیص ان کی زبان اور اسلوب کو عام لوگوں کے رویے سے جدا کرتی ہوئی نظر آتی ہے اور یہ خاصہ فنکار

کے یہاں ہی ملتا ہے۔ کیوں کہ عام لوگ تجربہ زندگی ہو یا حادثہ زندگی انھیں براہ راست اور عملی سطح پر پرکھ رہے ہوتے ہیں جب کہ فن کار ان کی طرف جمالیاتی اور احساسی نگاہ ڈالتا ہے اور یہی ان کے تخلیقی شعور کی بیداری کا منھ بولتا ثبوت ہوتا ہے۔

رفاقت جاوید نے بھی اپنے مکالموں میں زبان کے عملی استعمال اور استعاراتی استعمال میں فرق کو واضح طور پر دکھایا ہے اور یہ تب ہی ممکن ہے، جب احساس اور زبان کے رشتے کو سامنے رکھا جائے۔ کیوں کہ انسان کے تخیلات اس کے الفاظ کے پس پردہ پوشیدہ ہوتے ہیں:

> سوچتی ہوں کہ بڑے ہو جانے سے زندگی کی چال ڈھال میں فرق اس لیے آ جاتا ہے۔ کیوں کہ ہمیں اس دنیا کے دم قدم تمام روایتوں اور رواجوں کے مطابق چلنا ہوتا ہے۔ وہ اپنے بستر پر تھکن سے چور لیٹی ہی تھی کہ سوچتے ہی غنودگی میں چلی گئی۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وجدان اس کے دائیں طرف سر کی طرف کھڑا ہے۔[۸]

ان کے انداز بیان میں بے تکلفی کا عنصر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے اور سیل رواں کی مانند ایک فطری بہاؤ کی صورت نظر آتی ہے۔ کسی بھی جگہ ناول میں فکری پہلو اس قدر غالبیت کے ساتھ ابھر کر سامنے نہیں آتا کہ ناول کسی فلسفیانہ صحیفہ کی صورت نظر آئے اور نہ ہی انھوں نے احساسات کی آنچ کو اس قدر تیز کیا ہے کہ وہ کوئی جذباتی قصہ معلوم ہو۔ گویا حد درجہ میانہ روی کا اسلوب نظر آتا ہے اور یہی اسلوب ان کی فنی اور جمالیاتی شعور کی پختگی کا اظہار ہے اور ان کی تخلیقی بصیرت کا منہ بولتا ثبوت بھی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ علی عباس حسینی، ناول کی تاریخ اور تنقید (لاہور: لاہور اکیڈمی سرکلر روڈ، ۱۹۶۴ء)، ۱۷۴۔

۲۔ رفاقت جاوید، وبا کے اُس پار زندگی (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۲۲ء)، ۴۶۔

۳۔ www.wikipedia.com.

۴۔ رفاقت جاوید، وبا کے اُس پار زندگی، ۴۹۔

۵۔ ایضاً، ۵۱۔

۶۔ ایضاً، ۱۱۰۔

۷۔ ایضاً، ۱۹۱۔

۸۔ ایضاً، ۲۴۰۔